© rasailojaraid.com

دل کی بات

سید محمد کفیل بخاری

انتخاب اے انتخاب

عام انتخابات کے انعقاد کا وقت قریب تر ہو رہا ہے، ملک کی بڑی چھوٹی سیاسی جماعتیں انتخابی اکھاڑے میں اتر چکی ہیں، سیاسی سرگرمیاں عروج پر اور انتخابی مہم زوروں پر ہے۔ دنیا میں حکومتوں کی تشکیل و قیام کے جو نظام رائج ہیں ان میں پارلیمنٹ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ لیکن پارلیمنٹ کی تشکیل کیسے ہو؟ اس کے لیے دو طریقے زیادہ معروف ہیں۔ برطانوی پارلیمانی اور امریکی صدارتی نظام۔ پاک و ہند چونکہ برطانوی غلام رہے اس لیے یہاں پارلیمانی نظام ہی رائج ہے۔ افسوس ناک امر یہ ہے کہ امریکہ و برطانیہ اور دیگر مغربی ممالک نے اپنے معروضی حالات اور تہذیب و ثقافت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملک و قوم کی بہتری کے لیے اپنے حکومتی، انتظامی و سیاسی نظام میں بہت سی تبدیلیاں کیں اور مسلسل کر رہے ہیں لیکن ہماری صورتحال اس کے بالکل برعکس ہے کہ:

''جہاں روزِ اول کھڑے تھے کھڑے ہیں''

پاکستان میں سیاسی و انتخابی عمل کو صحیح معنوں میں چلنے ہی نہیں دیا گیا۔ طاقتور ریاستی ادارے ستر برس سے سیاسی عمل میں بے جا مداخلت کر کے اسے سبوتاژ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ منتخب حکومتوں کو بیک جنبشِ ابرو ختم اور پوری پارلیمنٹ کو جبراً گھر بھیج کر مارشل لاء کی حکومتیں قائم ہوتی رہیں۔ جنرل ایوب، جنرل یحیٰ، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف تک سب نے یہی کچھ کیا۔ اس کے پس منظر میں عالمی استعماری خواہشیں اور سازشیں دونوں اپنا بھرپور کردار ادا کرتی رہیں۔ 2013ء کے انتخابات کے بعد نئی ڈاکٹرائن یہ ہے کہ اب منتخب پارلیمنٹ اور حکومت میں من پسند افراد لائے جائیں انہی کے ذریعے من مرضی کے فیصلے کرا کر پوری قوت سے مسلط کیے جائیں اور انہیں مکمل آئینی تحفظ بھی فراہم کیا جائے۔ پاکستان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور اس کا قیام بھی اسلام کے نام پر ہوا۔ لیکن جو نظام یہاں رائج ہوا وہ آدھا تیتر اور آدھا بٹیر ہے۔ نہ برطانوی پارلیمانی نہ اسلامی۔ نتیجۃً گزشتہ ستر برس سے ملک و قوم سیاسی و معاشی بحرانوں کے بھنور میں ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ سیاسی جماعتیں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے چند خاندانوں کی ملکیت ہیں اور وہی پشت در پشت حکمرانی کو پیدائشی حق سمجھ کر قوم پر مسلط ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی پاکستان کی دو بڑی سیاسی جماعتیں ہیں۔ جو باریاں بدل بدل کر حکومت کرتی آ رہی ہیں۔ درمیان میں تحریک انصاف اس نعرے کے ساتھ ابھری کہ وہ مروجہ خاندانی و موروثی سیاسی نظام کو تبدیل کر کے عوامی حکومت بنائے گی اور اس فرسودہ نظام سے قوم کو نجات دلائے گی۔ لیکن افسوس صد افسوس تحریک انصاف نے بھی بالآخر اسی سرمایہ دارانہ فرسودہ نظام کے آگے گھٹنے ٹیک دیے۔ پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ کا استعمال شدہ فضلہ قبول کیا اور 2018ء کے انتخابات میں انہی کرپٹ لوگوں کو ٹکٹ دے دیے جن کے خلاف آواز بلند کی تھی۔ نواز شریف، آصف زرداری اور عمران خان اربوں کھربوں کے اثاثوں کے مالک ہیں۔ مسلم لیگ، پیپلز پارٹی اور تحریک انصاف کی تقریباً ساری قیادت کا یہی حال ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے نگران وزیراعظم جناب ناصر الملک نے اپنے جو اثاثے ظاہر کیے ہیں وہ بھی اس دوڑ میں بہت آگے ہیں۔ ہمیں موجودہ سیاسی نظام سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سو فیصد خیر کی توقع تو ہرگز نہیں لیکن اگر انتخابی نظام کو صاف شفاف اور تسلسل کے ساتھ چلنے دیا جائے تو کچھ نہ کچھ بہتری کی امید کی جاسکتی ہے۔عوام میں سیاسی شعور کی بیداری، کھرے کھوٹے کی تمیز اور ملک کے لیے بہتر قیادت کے انتخاب کی صلاحیت ضرور پیدا ہوگی۔جس کی بہترین اور تازہ ترین مثال ترکی کے انتخابات میں طیب اردوان اور ان کی پارٹی کی شاندار کامیابی ہے جو انہیں جہد مسلسل کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔یہاں سیاست پیسے کا کھیل بن چکی ہے ،اربوں کھربوں کے اثاثوں کے مالک سیاست دانوں کے مقابلے میں غریب مولوی کے لیے یہ ایک مشکل میدان اور سخت امتحان ہے۔لیکن سیاسی میدان کو سیکولر قوتوں کے لیے کھلا چھوڑ دینا بھی دانشمندی نہیں، پارلیمنٹ میں دینی قوتوں کی موجودگی و رہنمائی از حد ضروری ہے۔آئین میں قرارداد مقاصد سے لے کر عقیدۂ ختم نبوت تک اور دیگر اسلامی دفعات کا شامل ہونا پارلیمنٹ میں دینی قوتوں کی موجودگی اور جدوجہد کا ثمرہ ہے۔اس وقت دینی جماعتوں کے انتخابی اتحاد پر مشتمل ”متحدہ مجلس عمل“ بھی انتخابی میدان میں معرکہ آرا ہے جس کی قیادت مولانا فضل الرحمٰن کررہے ہیں۔اگرچہ متحدہ مجلس عمل کا اثر روسوخ اور دائرۂ عمل پنجاب، سندھ کے مقابلے میں خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں زیادہ ہے۔پنجاب اور سندھ کے بعض حلقوں میں بھی ان کے امیدوار میدان میں اترے ہیں۔اگر دو صوبوں میں بھی مجلس عمل کی حکومت قائم ہو جائے اور قومی اسمبلی میں حوصلہ افزا نمائندگی مل جائے تو مستقبل میں بڑی کامیابی بھی حاصل ہوسکتی ہے۔

مجلس احرار اسلام بنیادی طور پر ایک دینی سیاسی جماعت ہے جو 1929ء میں قائم ہوئی قیام پاکستان سے قبل 1936ء/1946ء کے انتخابات میں حصہ لیا اور مختلف نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔قیام پاکستان کے بعد احرار براہ راست انتخابی سیاست سے دستبردار ہوئے اور اپنی جدوجہد کو عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور محاسبہ قادیانیت کے محاذ پر مخصوص کیا کہ یہی اس وقت کا سب سے اہم تقاضا تھا۔الحمدللہ احرار نے محاذ ختم نبوت پر زبردست کامیابی حاصل کی اور پارلیمنٹ کے ذریعے دینی قیادت نے آئین میں متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا۔پاکستان میں منعقد ہونے والے تمام انتخابات میں دینی قوتوں کا ساتھ دیا۔1977ء کے انتخابات میں حصہ بھی لیا۔مجلس احرار اسلام دینی جماعتوں کی فطری حلیف ہے اور فی الحال انتخابات میں براہِ راست حصہ نہیں لے رہی لیکن انتخابی عمل سے بالکل الگ بھی نہیں رہ سکتی اس لیے موجودہ انتخابات میں احرار بحیثیت جماعت ،متحدہ مجلس عمل کی حمایت کرتے ہیں۔مذہبی ووٹ کی بہر حال ایک اہمیت اور وزن ہے جن حلقوں میں مجلس عمل کے امیدوار کھڑے ہیں احرار کارکن انہیں ووٹ دیں۔باقی حلقوں میں شرافت، حب الوطنی اور دین داری کے معیار پر جماعتی نہیں انفرادی حمایت کریں اور امیدواروں سے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ، آئین کی اسلامی دفعات کی بقا و نفاذ اور ملک کی نظریاتی اساس، اسلام کے تحفظ اور ترویج و اشاعت کا تحریری حلف لے کر انہیں ووٹ دیں۔اگر انتخابی عمل کا تسلسل جاری رہا اور دینی قوتیں اسی طرح متحد رہ کر اس میں شریک رہیں تو طیب رجب اردوان کی طرح ایک دن ضرور انہیں بھر پور کامیابی حاصل ہوگی۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ”اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے سوا کچھ نہیں“۔مولانا فضل الرحمٰن نے اسی کی روشنی میں درست فرمایا ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے ہمیں اقتدار کی ضرورت ہے اور ہم پر امن آئینی طریقے سے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے سرفراز کرے۔انتخابی عمل پر امن اور شفاف طریقے سے مکمل ہو اور پاکستان کو صالح و محبّ وطن قیادت میسر آئے۔(آمین)

© rasailojaraid.com